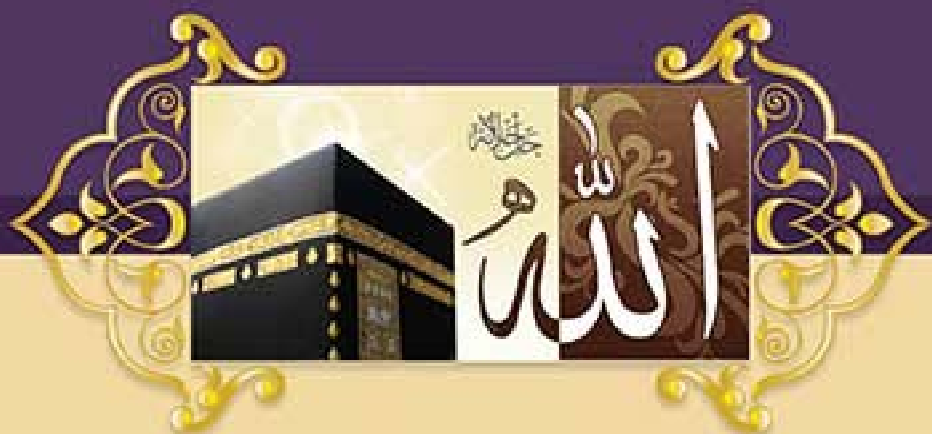
مواعظِ اختر نمبر ۵۰

تلاشِ دیوانۂ حق



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ التالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com



تلاشِ دیوانۂ حق

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ تالیفاتِ اختریہ

بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

www.hazratmeersahib.com

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جُملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: تلاشِ دیوانۂ حق

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج الملّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ: ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ، ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز منگل

مقام: جامعہ اسلامیہ، کامران بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور

موضوع: ذکر اللہ کے اثرات کا ترتب کب ہوتا ہے؟

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات | **صفحہ نمبر**

ملفوظات



تلاشِ دیوانۂ حق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

(سورۃ التوبۃ، آیت ۱۱۹)

عزیزانِ محترم اور بزرگانِ مکرم! اس مجلس میں جو مضمون عرض کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے احسن تعبیرات سے نوازش فرمائے، ان بزرگانِ دین کی برکت سے جن کی جوتیاں اٹھانے کی اللہ نے شرف اور توفیق بخشی ہے۔ اس میں تین بزرگ شامل ہیں، سب سے پہلے جب اختر طبیہ کالج الٰہ آباد میں پڑھ رہا تھا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی۔ وہاں مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کی مجلس ہوتی تھی لہٰذا ان کی خدمت میں آنا جانا شروع ہوا، لیکن دل میں سلسلۂ تھانوی کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ ہر چند کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب سراپا محبت اور عشق اور مستی تھے لیکن دل میں یہی تقاضا ہوا کہ سلسلۂ تھانوی میں کہیں بیعت کی جائے لہٰذا حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پتہ چلا کہ اعظم گڑھ میں ایک بزرگ ہیں وہاں ان کا مدرسہ بھی ہے، گھر بھی ہے۔ میرا بھی عربی پڑھنے کو دل چاہتا تھا تو سوچا کہ ایسی جگہ عربی پڑھوں جہاں میرے نفس کی اصلاح

بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہو اور اللہ والے کی صحبت بھی ملے اور میں وہاں عربی زبان بھی پڑھ لوں، حدیث وتفسیر بھی پڑھ لوں۔ میرے بعض دوستوں نے مخالفت بھی کی کہ اگر تم بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں پڑھو گے تو تم کو دنیا میں کوئی عزت نہیں حاصل ہوگی کیونکہ یہ مدرسہ جنگل دیہات میں ہے، چھوٹا سا قصبہ ہے اور اگر دیوبند یا مظاہر العلوم میں جاؤ گے تو تمہاری سند کی کوئی وقعت اور عظمت بھی ہوگی۔ میں نے کہا کہ مجھے اپنی سند کی عظمت اور وقعت مطلوب نہیں ہے، مجھے تو حق تعالیٰ کے عشق میں ایک جلا بھنا دل چاہیے، جو اپنے سینے میں خدا کے عشق کا درد بھرا دل رکھتا ہو، اس کی خدمت میں میں اپنی زندگی گذار دوں، بس مجھے دنیا میں اور کچھ نہیں چاہیے۔ جیسا کہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

خوشتر از ہر دو جہاں آں جا بود

کہ مرا با تو سر و سودا بود

دونوں جہان میں مجھ کو وہ زمین بہت اچھی معلوم ہوتی ہے جہاں اے خدا آپ کی یاد کی توفیق نصیب ہو جائے اور میں اس زمین پر آپ کا نام لے سکوں تو وہ زمین مجھے دونوں جہان میں خوشتر اور عزیز تر ہے، لہٰذا مجھے ایسے ہی دیوانۂ حق اور اللہ کے عاشق کی تلاش تھی جو سینہ میں ایک درد بھرا دل لئے ہوئے رہتا ہو جس کی صحبت کے فیض سے مجھے بھی اللہ کی محبت میں ایک جلا بھنا درد بھرا دل عطا ہو جائے۔ اسی زمانے میں مجھے پتہ چلا کہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت کے خلیفہ ہیں ان پر شانِ عشق و مستی غالب ہے۔ حضرت کے داماد طبیہ کالج میں میرے ساتھ پڑھتے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت کی کوئی ایسی ادا بتاؤ کہ جس سے مجھے مناسبت محسوس ہو کہ وہاں میرا گذارہ ہوگا یا نہیں۔ تو انہوں نے کہا حضرت کے کرتہ کے بٹن کھلے رہتے ہیں، لنگی باندھے

رہتے ہیں، بال بے ترتیب عجیب حالت میں بکھرے رہتے ہیں ہر وقت اللہ کے عشق میں سرشار۔ انہوں نے حضرت کی کچھ ایسی حالت بیان کی کہ میں نے کہا کہ بس میرا گذارہ ہوجائے گا، مجھے ایسا ہی پیر چاہیے جس پر شانِ دیوانگی غالب ہو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

رو روا اے جاں زود زنجیرے بیار

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار

اے جان! جلدی جا اور زنجیرِ محبت لے آ، میں دوبارہ دیوانہ بن رہا ہوں لٰہذا میرے لئے ایک زنجیر لے آ۔ پھر فرمایا ؂

غیرِ آں زنجیرِ زلفِ دلبرم

گر دو صد زنجیر آری بر درم

اے دنیا والو! دنیا والی زنجیر نہ لانا، اگر دنیاوی محبت کی دوسو زنجیریں بھی لاؤ گے تو میں ان سب کو توڑ دوں گا لیکن اگر میرے اللہ کی محبت کی زنجیر لاؤ گے تو میں اپنے کو اس میں گرفتار کرادوں گا کیونکہ ؂

پابندِ محبت کبھی آزاد نہیں ہے

اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی محبت کی جو پابندیاں ہیں یعنی روزہ، نماز، ذکر و نوافل و تلاوت یہ وہ پابندیاں ہیں کہ کوئی عاشق کبھی یہ نہیں چاہتا کہ کاش نماز سے چھٹی مل جائے، روزہ سے چھٹی مل جائے کیونکہ اس کی حیات اُس مچھلی کی طرح ہے جو پانی سے چھٹی نہیں لے سکتی بلکہ اگر کوئی مچھلی کو دریا سے چھٹی بھی دینا چاہے کہ اے مچھلیو! آج ہم تمہاری تعطیل کرتے ہیں، تم دریا میں ایک جگہ رہتے رہتے گھبرا جاتی ہو، شاید تمہارا دل پانی میں رہتے رہتے گھبرا گیا ہو، جاؤ! آج لاہور میں شالیمار باغ، عجائب خانہ، چڑیا خانہ، شیر، ہاتھی دیکھو تو مچھلیاں کیا کہیں گی؟ مچھلیاں یہ کہیں گی

کہ ہم بغیر پانی کے زندہ ہی نہیں رہ سکتے اور پانی بھی اتنا ہونا چاہیے کہ ہماری دُم اور سر سب ڈوبے ہوئے ہوں یعنی ہم بالماء زندہ نہیں رہتیں، فی الماء زندہ رہتی ہیں۔

عاشقِ حق کی حیات دریائے قرب حق میں ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾

(سورۃ الرعد، آیت۲۸)

تو اس آیت میں بِذِکْرِ کے باء کے معنی فی کے ہیں یعنی اللہ کے ذکر کے ساتھ نہیں بلکہ ذکر میں ڈوب کر دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے کَمَآ اَنَّ السَّمَکَۃَ تَطْمَئِنُّ فِی الْمَآءِ لَا بِالْمَآءِ جیسے مچھلیاں پانی کے ساتھ زندہ نہیں رہتیں بلکہ پانی میں ڈوب کر زندہ اور مطمئن رہتی ہیں، مثلاً مچھلی کا کچھ حصہ تو پانی میں ڈوبا ہوا ہے مگر چار انگل سر پانی سے باہر ہے تو وہ زندہ رہے گی؟ مچھلی بالماء تو ہے یعنی اس کے جسم میں پانی لگا ہوا تو ہے لیکن وہ فی الماء نہیں ہے، فی کے معنی غرق ہوجانے کے ہیں یعنی اس کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو، وہ پانی میں غرق ہو تب زندہ رہے گی۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ ہمہ وقت دریائے جلال میں غرق ہیں۔

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

اللہ والوں کی روحیں اللہ کے دریائے قرب کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تشبیہ تو دیکھئے، کیا کمال ہے، اللہ اس عاشق کی قبر کو نور سے بھر دے جو پورے عالم کو، اللہ کی محبت سِکھا گیا۔ تو مولانا جلال الدین رومیؒ

فرماتے ہیں کہ اللہ والے کون ہیں؟ ؎

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

اللہ والے اللہ کے دریائے قرب کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں۔ اچھا یہاں گہرائی کی قید کیوں لگائی؟ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، اعظم گڑھ میں ایک تالاب تھا، گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہوگیا بمشکل ایک ہاتھ پانی رہ گیا، اور جون کا مہینہ سخت گرمی کا تھا، تو سارا پانی گرم ہوگیا، جب سارا پانی گرم ہوگیا اور مچھلیوں کو پانی کی گہرائی کی ٹھنڈک میں جانے کا موقع نہیں رہا تو سب مچھلیاں بے ہوش ہوگئیں، جب سب بے ہوش ہوگئیں تو شکاریوں نے جا کر ان کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور سب کے مزے آگئے۔

کم ذکر کرنے والے معاشرہ سے مغلوب ہوجاتے ہیں

اسی طرح جب کم ذکر ہوگا تو نور کم پیدا ہوگا، جب نور کم ملے گا تو معاشرہ کی مسموم زہریلی ہوائیں اس کے قلب کے پانی کو گرم کردیں گی اور وہ معاشرہ سے مغلوب ہوجائے گا لہٰذا دل میں اتنا نور بننا چاہیے، نور کا دریا اتنا گہرا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرنا چاہیے کہ اللہ کے قرب کے گہرے دریا میں ہمارا دل اور ہماری روح ڈوبی ہوئی ہو تاکہ جب باہر کا معاشرہ ہم کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو ہم اس سے ہٹ کر ذکر کے اس گہرے دریا میں پناہ لے لیں۔ جیسے جب سورج کی خارجی شعاعیں دریا کے اوپر کی سطح کو گرم کردیتی ہیں تو مچھلیاں نیچے گہرائی میں جا کر ٹھنڈک میں پناہ لیتی ہیں۔ اسی لئے مولانا رومیؒ نے قعر کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ دیکھو اگر پانی کم ہوگا تو پھر باہر کا معاشرہ تم پر اثر کرجائے گا، جو لوگ ذکر کم کرتے ہیں، تلاوت اور ذکر میں غفلت کرتے ہیں تو ان کو باہر کا ماحول متاثر کردیتا ہے۔

ضرورتِ شیخ

یہاں پر ایک مسئلہ اور عرض کردوں جو لوگ اللہ والوں سے تعلق قائم کرکے ذکر اللہ کا اہتمام کرتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی فکر بھی رکھتے ہیں تو ان سے بھی کبھی بدنگاہی ہوسکتی ہے، شہر میں جاتے ہوئے کسی پر نظر پڑ گئی اور فوراً ہٹالی تو یہ پڑنا ہے جو معاف ہے لیکن نظر اکثر پڑ نہیں بلکہ پڑائی جاتی ہے ڈالی جاتی ہے، نظر پڑنا اور نظر ڈالنا، دونوں میں فرق ہے۔ اگر نظر پڑی تھی تو پڑی کیوں رہی ہٹائی کیوں نہیں؟ اچانک نظر تو معاف ہے لیکن پڑنے کے بعد وہ پڑی کیوں رہی؟ یہ جرم ہے۔ اچانک نظر معاف ہے لہٰذا فوراً نظر ہٹانی چاہیے لیکن اس کے حسن کا کوئی نکتہ ایسا اچھا لگا کہ دل کو کھینچ لیا اور وہ اس میں مبتلا ہوگیا، مغلوب ہوگیا تو یہ مجرم ہوگیا۔ اب ایک غافل آدمی ہے جو کسی بزرگ سے تعلق نہیں رکھتا، کسی اللہ والے کو شیخ نہیں بناتا، کبھی اللہ کا ذِکر نہیں کرتا، جب مرشد ہی نہیں ہے تو ذکر کیا کرے گا، جب حکیموں سے تعلق ہی نہیں ہے تو خمیرہ کیا کھائے گا اور اگر کھائے گا تو مرے گا کیونکہ اس کی مقدار کا تعین کرنے والا کوئی نہیں ہے، خمیرہ مروارید، خمیرہ ابریشم چھ ماشہ کھانا چاہیے، اس کو مزہ آیا اس نے ایک چھٹا نک کھالیا، نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ رگوں میں تناؤ پیدا ہوا اور تناؤ سے فالج ہوگیا، جنہوں نے زیادہ جواہرات کھالئے وہ بعد میں بیمار پڑ گئے، تو خمیرہ کی بھی مقدار ہے۔ اسی طرح ذکر اللہ کی بھی مقدار ہے جس کا تعین مرشد کرے گا اگر کسی کا مرشد نہیں ہے، شیخ نہیں ہے، روحانی معالج نہیں ہے تو وہ اپنی من مانی سے کبھی زیادہ ذکر کرلے گا یہاں تک کہ پاگل ہوجائے گا، لوگ سمجھیں گے کہ مجذوب ہوگیا ہے حالانکہ پاگل ہوگیا، نوّے فیصد لوگ پاگل ہیں جن کو ہم مجذوب سمجھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو بغیر مرشد کے ذِکر زیادہ کرلیتے ہیں، اپنے تحمل

سے زیادہ ذکر کر لیتے ہیں۔

ایک صاحب نے اپنے حال کی اطلاع دی کہ آپ نے جب سے ذکر بتایا ہے آج کل غصہ بہت آرہا ہے۔ میں نے کہا ذکر بالکل ملتوی کردو اور پانی پر دم کر کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پیو اور صرف درود شریف پڑھو تاکہ مزاج اعتدال پر آجائے۔ ایک آدمی جو آج کل غلط بیعت کر رہا ہے، کسی کا تربیت یافتہ اور اجازت یافتہ نہیں ہے، انگریزی دان ہے، قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر بھی غلط کررہا ہے، ایک صاحب غلطی سے اس کے ہاتھ چڑھ گئے، اس نے انہیں دو ہزار مرتبہ لا الٰہ الا اللہ بتادیا حالانکہ وہ خود کسی سے بیعت نہیں ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جو خود مربہ نہ بنے اور مربی بن جائے، شاگرد نہیں بنا اور استاد بن گیا، کتابیں دیکھ کر ڈاکٹر بن گیا اور کسی ڈاکٹر کی صحبت نہیں پائی تو وہی سعدی شیرازی والا واقعہ ہوگا کہ ایک حکیم قبرستان گیا تو اس نے آستین سے اپنا منہ چھپالیا۔ شاگردوں نے پوچھا اپنا منہ کیوں چھپایا؟ کہنے لگا کہ یہ سب میرے ہی غلط علاج سے مارے ہوئے ہیں، ان مُردوں سے مجھے شرم آرہی ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ جعلی پیر نے ان صاحب کو دو ہزار دفعہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر بتادیا۔ ایک دن میرے پاس آکر کہنے لگے کہ سینہ میں بوجھ معلوم ہوتا ہے، جلن محسوس ہوتی ہے اور غصہ بڑھتا جارہا ہے۔ تو میں نے سوچا کہ اگر ان کو بالکل منع کردیتا ہوں تو یہ کہیں گے کہ عجیب پیر ہے لہٰذا میں نے کہا تم پانچ سو مرتبہ ذکر کرو اور فی الحال ڈیڑھ ہزار کو ملتوی کردو، ابھی آپ میں اتنے ذکر کا تحمل نہیں ہوگا اور روزانہ سیب کھایا کرو۔ اب سیب کی خاصیت بھی بتاتا ہوں کہ اگر کوئی روزانہ سیب کھاتا رہے تو اس کے اوپر کبھی آسیب نہیں آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیب سے دل قوی ہوتا ہے اور جس کا دل قوی ہوتا ہے اس پر جنات بھی نہیں آتے۔ محمد علی کلے کے پاس آج تک جن نہیں آیا کیونکہ جنات بھی جانتے

ہیں کہ باکسنگ کا ایک گھونسہ مارے گا تو ہم چاروں خانے چت پڑے ہوں گے۔ اسی لئے عورتیں جو بے چاری کمزور ہوتی ہیں یا جو مرد مسلسل بیمار رہتے ہیں ان پر جن آسکتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص جس پر واقعی جن کے اثرات ہوں وہ بار بار یہ کہے کہ اگر کوئی جن آیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا، کچھ دنوں کے بعد اگر جن وہاں سے نہ چلا جائے تو کہئے گا کیونکہ جن دل کی بات نہیں جانتے، وہ دیکھتے ہیں کہ یہ بہادر آدمی ہے اور ان کی خفیہ پولیس جا کر اطلاع کر دیتی ہے کہ بھئی! وہاں خیریت نہیں ہے تمہاری، اس سے وہ مرعوب ہو جاتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ جن جنگلوں میں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تو تم سے ڈرا کرتے تھے، لیکن جب کفار نے ان کے نام کی دُہائی دینی شروع کی تو انہوں نے کہا کہ لو بھئی! ہم تو ان سے ڈرتے تھے یہ تو ہم سے ڈر رہے ہیں۔ قوی القلب انسان کے اوپر جن کے اثرات نہیں ہوتے۔ تو میں نے ان صاحب کو روزانہ سیب بتا دیا لہٰذا ایک ہفتہ کے بعد انہوں نے بتایا کہ جلن ختم ہوگئی، بوجھ ختم ہو گیا اور بہت فائدہ محسوس ہوا اور وہ روزانہ عصر کے بعد میرے پاس آنے لگے اور پھر جعلی شیخ کے چکر سے بھی نکل گئے لیکن میں نے یکدم اس شخص کی بُرائی بیان نہیں کی کیونکہ اگر کسی آدمی کا جعلی شیخ سے تعلق ہوتا ہے تو اچانک اس شیخ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، پرانا رنگ اکھڑتے اکھڑتا ہے لہٰذا جو شخص کسی شیخ کا تربیت یافتہ نہ ہو اس شخص سے تربیت کروانا صحیح نہیں ہے، جو خود مربہ نہیں بنا اس کو مربی بنانا اپنے کو برباد کرنا ہے۔ ایک اندھا دوسرے اندھے کی لاٹھی پکڑے گا تو دونوں گڑھے میں گریں گے لہٰذا اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جس نے اپنی تربیت کرائی ہو اور کسی شیخ کامل سے اس کو اجازت بھی حاصل ہو اور علماء اور صلحائے زمانہ اس سے حسن ظن رکھتے ہوں تو ایسے شخص کو ہی اپنا پیر بنانا چاہیے۔

دینی خدمت میں اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ

خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تعداد میں طب کے اصول کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے کہ کس کے لئے کتنا ذکر مفید ہے، شیخ کو اصولِ طب کے ساتھ ذکر بتانا چاہیے۔ اب ایک آدمی دن بھر قرآنِ کریم پڑھاتا ہے اسی میں اس کا دماغ گرم ہوجاتا ہے، تو لا الٰہ الا اللہ کی ایک تسبیح سے بھی اس کا سلوک طے ہوجائے گا چونکہ سارا دن قرآن پڑھاتا ہے، یہ بھی تو ذکر ہے۔ بس وہ یہ نیت کرلے کہ یا اللہ! تنخواہ کے عوض میں نہیں پڑھا رہا ہوں، آپ کے لئے پڑھا رہا ہوں، چونکہ اور جگہ رزق اور روزی کما نہیں سکتا، بال بچے بھی ہیں اس لیے تنخواہ لے رہا ہوں لیکن اگر آپ غیب سے رزق کا کوئی اور بندوبست کردیں تو اسی دن تنخواہ چھوڑ دوں گا اور مفت میں پڑھاؤں گا۔ اس نیت کی برکت سے آپ مخلص ہوگئے، اب آپ فُلوس یعنی پیسوں کے مقابلہ میں قرآن نہیں پڑھا رہے ہیں، اب آپ کا قرآن پڑھانا خلوص کے ساتھ ہوگیا ہے۔

گناہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے

یہ ہے تنخواہ کے ساتھ دینی خدمت میں اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ ورنہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تنخواہ لے کر پڑھانا اخلاص کے منافی ہے۔ اسی طرح بعض نادان ذکر اللہ کا اور اہل اللہ سے تعلق کا اثر یہ سمجھتے ہیں کہ بس اب دل میں بالکل گندا خیال ہی نہ آئے گا، کوئی عورت کبھی سامنے آئے گی تو بس یوں معلوم ہوگا کہ یہ کوئی مٹی کا ڈھیلا ہے یا کھمبا ہے۔ یاد رکھو! تقاضۂ معصیت قائم رہتا ہے، یہ تقاضے مغلوب تو ہوسکتے ہیں، مضمحل تو ہوسکتے ہیں لیکن مرتے دم تک معدوم نہیں ہوسکتے اور نہ ان تقاضوں کو معدوم کرنا فرض ہے، اگر یہ فرض ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان

تقاضوں کو پیدا ہی کیوں کرتا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾

(سورۃ الشمس، آیت۸)

ہم نے تمہارے اندر مادّۂ نافرمانی بھی رکھا ہے اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھا ہے لیکن تم مادّۂ نافرمانی پر عمل نہ کرو اس لئے کہ مادّۂ نافرمانی کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

جیسے لکڑی اور کوئلے کو جلا کر بریانی پکاتے ہو اسی طرح گندے گندے اور بُرے تقاضوں کو خدا کے خوف سے جلا دو پھر اس سے تقویٰ کی بریانی پک جائے گی اور اگر لکڑی ہی نہ ہو، سوئی گیس ہی نہ ہو، ایندھن ہی نہ ہو تو کیا بریانی پک سکتی ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تقویٰ کی بریانی پکانے کے لئے آگ دے دی ہے، یہ شہوت کی آگ جو ہے اس کو تم کھاؤ مت، لکڑی کھائی نہیں جاتی وہ چولہے کے اندر پتیلے کے نیچے جلتی رہتی ہے لہٰذا کتنی ہی حسین عورت ہو یا حسین لڑکا ہو اور دل اس کو دیکھنے کو چاہے تو دل کی اس خواہش پر عمل مت کرو، جب اس گندی خواہش پر عمل نہیں کیا تو دل پر غم آیا، اس غم کی آگ سے تقویٰ کی بریانی پکتی ہے، نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے، اللہ کی محبت کا درد پیدا ہوتا ہے، ایمان کی حلاوت دل میں داخل ہوتی ہے اور بندہ خدا کی طرف بڑھتا جاتا ہے، اور قربِ خدا کے زینے چڑھتا جاتا ہے، غم اٹھاتے اٹھاتے ایک دن اللہ کو رحم آجاتا ہے اور نسبت کا القاء فرما دیتے ہیں۔

نسبت مع اللہ اچانک عطا ہوتی ہے

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی نسبت عطا کرتے ہیں اچانک عطا کرتے ہیں، نسبت عطا کرنے میں تدریج نہیں فرماتے۔

جیسے کوئی مہمان آتا ہے تو کیا وہ بند دروازہ پر ہی کھڑا رہتا ہے؟ یا دروازہ اچانک کھول دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ میزبان پہلے اپنی آنکھ دکھائے، پھر ناک دکھائے، پھر رخسار دکھائے بلکہ میزبان اچانک سامنے آجاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جس قلب کو اپنی نسبت عطا کرتے ہیں اچانک عطا کرتے ہیں مگر اس اچانک آنے کے لئے پہلے مجاہدہ بہت دنوں تک کراتے ہیں اور بتاتے بھی نہیں کہ ہم کب ملیں گے۔ بس امید رکھو کہ جیسے سب کو اللہ میاں ملے ہیں ویسے ہی ہم کو بھی ملیں گے۔ بس تم اولیاء اللہ کا طریقہ اور اصول اختیار کرو اور اللہ کا نام لینا شروع کرو خواہ مزہ آئے یا نہ آئے۔

ذکرِ بے لذت کے مفید ہونے کی مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر زِ چاہ می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر تم صاف پانی کے خواہشمند ہو تو ہر روز کسی کنویں سے تھوڑی تھوڑی مٹی نکالتے رہو، یہ نہ دیکھو کہ سوکھی مٹی نکل رہی ہے، یہ دیکھو کہ ساری دنیا میں جو کنویں کھودے جارہے ہیں ان سے بھی سوکھی مٹی نکل رہی ہے، بس تم اس کام میں لگ جاؤ، ورنہ اگر روز لیبارٹری میں دِکھاؤ گے کہ بھئی! اس میں کچھ پانی ہے؟ تو وہ کہے گا کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے لیکن ذرا صبر کرو، کنواں کھودے جاؤ چند فٹ کھودنے کے بعد اب اس مٹی میں پانی کی تھوڑی تھوڑی نمی محسوس ہونے لگے گی، اب مٹی گیلی گیلی نکلے گی، اب لیبارٹری میں دِکھانے کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوگی، تمہارا دل خود کہے گا کہ بھئی! مٹی میں ٹھنڈک محسوس ہورہی ہے، پانی کا اثر محسوس ہورہا ہے۔ اس کے بعد مزید کھودو پھر پچاس فیصد پانی اور

پچاس فیصد مٹی آئے گی۔ یعنی اگر کوئی صوفی اللہ اللہ بھی کرتا ہے اور پچاس فیصد خطائیں بھی کرتا ہے تو مایوس نہ ہو اور آگے بڑھو پھر ایک زمانہ آئے گا کہ دس فیصد مٹی اور نوّے فیصد پانی ہوگا، جس کا نام گدلا پانی مٹی ملا ہوا پانی ہے، مگر اس گدلے پانی سے بھی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اگر اسے کوئی پی لے تو مرتا ہوا جی جائے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند

صاف گر باشد ندانم چوں کند

جب مٹی ملا ہوا گدلا پانی مجنوں کر سکتا ہے تو اگر بالکل صاف پانی ملے گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا عالم ہوگا یعنی جب اللہ کی محبت کی شراب جس میں خطاؤں کی مٹی ملی ہوئی ہے وہ اللہ کے عاشقوں کو مجنوں بنا سکتی ہے تو خدا کی محبت کی بالکل خالص شراب کا کیا عالم ہوگا۔ تو چند فٹ کنواں کھودو پھر صاف پانی کا سوتا نکل آئے گا۔ اسی طرح اگر کوئی پہلے ہی دن اللہ اللہ کرے اور کہے کہ صاحب کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوا تو یہ اس کی نادانی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ اللہ اللہ کرتے ہوئے چھ مہینے ہو گئے ہیں مگر کچھ نظر نہیں آیا، نہ جلوہ نظر آیا، نہ روشنی نظر آئی، نہ کوئی خواب نظر آیا۔ مجھ کو کیا ملا؟ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ظالم! تو جو خدا کا نام لیتا ہے کیا یہ کم انعام ہے؟ اللہ کا نام لینا معمولی انعام ہے؟ جس لمحہ تم اللہ کہتے ہو سوچو کہ اس وقت تمہاری مٹی کی قیمت کیا ہوتی ہے۔ تم ساری دنیا کی نعمتوں کے نام لے لو، بیوی، مکان، مدرسہ، سیب، کیلا، انگور وغیرہ ساری نعمتوں کے نام لے لو لیکن ایک دفعہ اللہ کہہ دو، تو آپ نے کائنات کی تمام چیزوں کے جو نام لئے ہیں وہ سب ایک طرف لیکن ایک دفعہ جو اللہ کہا اس کی کیا قیمت ہے؟ ارے! یہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کی وجہ سے آپ بھی قیمتی بن گئے، اللہ ایسے قیمتی ہیں کہ جو ان کا نام لیتا ہے اس کو بھی

قیمتی تسلیم کر لیتے ہیں جبکہ محبت سے نام لیا جائے۔

ذکر اللہ کا کامل اثر کب ہوتا ہے؟

اب نام لینے کے لئے ایک چیز عرض کرتا ہوں، ایک آدمی ہزار دفعہ اللہ اللہ کرتا ہے، یہ بے شک مفید ہے، ان کا نام جیسے بھی لیا جائے مفید ہے، حالتِ تشویش میں لے تو مفید، حالتِ غفلت میں لے تو مفید جس طرح سے بھی اللہ کا نام لے مفید ہے لیکن جو محبت سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اس کا اثر زبردست ہوتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عام می خوانند ہر دم نام پاک
ایں اثر نہ کند چوں نبود عشق ناک

عام لوگ ہر وقت سبحان اللہ! پڑھتے ہیں لیکن اس کا کامل اثر نہیں ہوتا جب تک یہ سبحان اللہ کہنا عشق ناک نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر عشق ناک ہونا چاہیے۔ اب آپ کہیں گے کہ صاحب! ہم نے خوفناک سنا تھا، غمناک سنا تھا، افسوسناک سنا تھا، عبرتناک سنا تھا، خطرناک سنا تھا، دردناک سنا تھا، سارے ناک سنے تھے مگر یہ آج مولانا رومی نے کون سا نیا لفظ عشق ناک سکھا دیا۔ آہ! یہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ہے، انہوں نے چھ سو برس پہلے یہ لغت آپ کو بخشی ہے کہ اللہ کا نام لو تو عاشقانہ لو، محبت بھرے انداز سے لو، ان کا نام لینے کا حق ادا کرو کیونکہ آپ کی جان کو، آپ کے جسم کو انہوں نے ہی تو بنایا ہے، اگر ابا کا نام محبت سے لے سکتے ہو اور ابا کا نام لے کر آنکھ سے آنسو نکال سکتے ہو تو ربا کا نام محبت سے کیوں نہیں لے سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر

جبکہ ماں کے پیٹ میں تمہارے اعضاء کی تشکیل اور تصویر سب اللہ

ہی نے بنائی، باپ کے نطفہ اور ماں کے حیض جن سے تمہاری تشکیل ہوئی، کو تمہارے ماں باپ نے بنایا یا کوئی سائنسی آلات بناتے ہیں یا یہ خودبخود بن جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾

(سورۃ آلِ عمران، آیت ۶)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہارے نقشے کو تمہاری ماں کے پیٹ میں بناتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہی ہمارے خالق و مالک ہیں، انہوں نے ہی یہ زمین ہمارے چلنے کے لئے بنائی ہے۔ جب تم زمین پر چلتے ہو تو یہ سوچتے ہو کہ یہ زمین کس نے بنائی؟ کیا سورج کی روشنی دیکھ کر یہ سوچتے ہو کہ یہ وہ روشنی ہے جس کا بل لاہور کے پاور ہاؤس سے نہیں بھیجا جاتا، ستاروں کو دیکھتے ہو کہ یہ بیکار نہیں ہیں، چاند کو دیکھتے ہو کہ یہ بیکار نہیں ہے، یہ سب مقناطیسی نظام اس عزیز اور علیم کی طرف سے ہے:

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

(سورۃ یٰسٓ، آیت ۳۸)

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی مسافتوں کو اور ستاروں کو اور دنیا کے لوگوں کی اس زمین کو جو اس طرح فضا میں رکھا ہوا ہے، اس کا اندازہ کرنا کہ ان میں آپس میں کتنی کشش ہونی چاہیے کہ ان کا آپس میں ٹکراؤ نہ ہو، ان کا روٹ مقرر ہو، یہ مناسب فاصلہ پر رہیں، یہ تقدیر اور اندازہ اللہ نے اپنی دو صفات میں بیان کیا ہے، ایک صفت عزیز یعنی زبردست طاقت سے کُن کہا تو ارب ہا من مقناطیس پیدا ہو گیا، لیکن کتنا مقناطیس پیدا کریں کہ چاند اور سورج میں فاصلے رہیں اور چاند جو ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ سے سمندر کی لہروں کو کنٹرول کر رہا ہے اس کا فاصلہ کم یا زیادہ نہ ہو، اسی طرح اگر سورج اور زمین کا درمیانی فاصلہ ساڑھے نو کروڑ میل

سے کم ہوجائے تو سورج کی گرمی سے سارا غلہ جل کے راکھ ہوجائے تو اس سارے علم کو اللہ نے اپنی دوسری صفت علیم میں ظہور فرمایا کہ سورج ہمیشہ زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر رہے، چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ پر رہے اور ستارے اتنے اتنے فاصلہ پر رہیں کہ آپس میں نہ ٹکرائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝﴾

(سورۃ یٰسٓ، آیت۳۸)

وہ زبردست طاقت اور زبردست علم والا ہے۔ مجال نہیں کہ سورج اپنے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلا جائے اور نظامِ عالم کو درہم برہم کردے، بعض پہلوان بے وقوف ہوتے ہیں، ان میں طاقت تو ہوتی ہے مگر اتنی عقل نہیں ہوتی کہ طاقت کا صحیح استعمال کیسے کریں۔ میں نے بچپن میں سنا تھا پہلوانوں کی گردن پر ان کا استاد گھونسہ مارتا ہے تاکہ ان کی گردن مضبوط ہوجائے مگر عقل کم ہوجائے کیونکہ اس سے اعصاب متاثر ہوتے ہیں تو اللہ نے یہ فرمادیا کہ ہماری طاقت کو گھونسے والے پہلوانوں کی طرح مت سمجھ لینا، اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہیں اور علیم بھی ہیں یعنی ان کو کمالِ علم بھی ہے اور کمالِ طاقت بھی ہے اس لئے جہاں پر جس صفت کا ظہور ہوتا ہے قرآن پاک میں وہاں پر اللہ کا وہی اسم نازل ہوتا ہے، یہی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے چونکہ تخلیقِ کائنات میں یعنی سورج اور چاند کے نظام میں، نظامِ فلکیات و ارضیات میں اور ان کی مسافتوں کا روٹ مقرر کرنے میں ان کے زبردست علم اور زبردست طاقت کا ظہور ہے کہ صبح سورج مشرق سے نکلے اور مغرب میں ڈوبے، اس سارے نظامِ عالم کو مسخّر کرنے میں زبردست طاقت اور زبردست علم درکار تھا اسی لیے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام عزیز اور علیم نازل فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کو اتنی بڑی کائنات بنانے کا

علم بھی ہے کہ اس کو کیسے بنایا جائے یعنی سورج، زمین اور چاند میں کتنا فاصلہ اور کتنی کشش رکھنی ہے تاکہ یہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں، ان کی کشش کہیں غیر معتدل نہ ہو جائے، اس کے لئے علمِ کامل کی ضرورت ہے اور اس کائنات کو بنانے کی قدرت بھی ہے، جیسے انجینئر صاحب کو مکان بنانے کا علم تو حاصل ہے مگر اتنے پیسے نہیں ہیں، اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ مکان بنا سکے تو معلوم ہوا کہ مکان بنانے کا علم تو حاصل ہے مگر مکان بنانے کی قدرت حاصل نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کائنات بنانے کا علم بھی ہے اور اسے بنانے کی قدرت بھی ہے اسی لیے فرمایا **ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ**۔

صفت اَلتَّوَّابُ کے ساتھ صفت اَلرَّحِیۡمُ نازل کرنے کی حکمت

اسی طرح قرآن پاک میں ایک جگہ ہے:

﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت ۵۴)

علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں صفتِ توّاب کے بعد صفتِ رحمت کیوں نازل کی؟ فرماتے ہیں کہ اس میں فرقۂ معتزلہ کا رد ہے چونکہ علمِ الٰہی میں تھا کہ ایک گمراہ فرقہ معتزلہ کا پیدا ہوگا، قرآن جب نازل ہوا اس وقت فرقۂ معتزلہ کا وجود نہیں تھا، یہ بعد میں پیدا ہوا مگر علمِ الٰہی میں تھا کہ مستقبل میں ایک فرقہ نکلے گا جو یہ کہے گا کہ توبہ کرنے کے بعد اللہ کو معاف کرنا ضابطہ اور قانون سے واجب ہے، اللہ کو قانونی طور پر معاف کرنا پڑے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں صفت الرحیم نازل کردی، اپنی شانِ رحمت نازل کردی تاکہ مستقبل کے جتنے باطل فرقے ہیں ان کا ردّ ہو جائے کہ میرا بندوں کو

معاف کرنا ضابطہ اور قانون سے نہیں ہے بلکہ شانِ رحمت سے ہے۔

صفت اَلْغَفُوْرُ کے ساتھ صفت اَلْوَدُوْدُ نازل کرنے کی حکمت

جیسے قرآن پاک میں ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾

(سورۃ البروج، آیت ۱۴)

جانتے ہو کہ میں تمہیں کیوں بخشش دیتا ہوں؟ محبت کی وجہ سے۔ اس آیت کا ترجمہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ تم لوگ جانتے ہو میں تمہیں کیوں معاف کر دیتا ہوں؟ مارے میا کے۔ میا محبت کو کہتے ہیں، یہ ہندوستان کے صوبہ یوپی کے گاؤں دیہات کی بولی ہے۔

صفت اَلْعَزِیْزُ کے ساتھ صفت اَلْغَفُوْرُ نازل کرنے کی حکمت

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾

(سورۃ الملک، آیت ۲)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کمزور کی جانب سے مغفرت بے وقعت ہوتی ہے۔ ایک آدمی کمزور ہے، اس کو کسی نے طمانچہ مار دیا، اب اس میں بدلہ لینے کا دم نہیں ہے، اتنی قوت نہیں ہے کہ بدلہ لے سکے تو اگر وہ کہے کہ میں نے طمانچہ مارنے والے کو معاف کر دیا تو اس کی معافی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور بخشش کو وقیع بنانے کے لئے فرمایا کہ میں زبردست طاقت رکھتے ہوئے تم کو معاف کر دیتا ہوں یعنی غفوریت کی شان کو عزیزیت کی شان سے بلند رکھتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جانتے ہو میں تمہیں کیوں معاف کر دیتا ہوں؟ زبردست طاقت رکھتے ہوئے بھی میں تمہاری مغفرت کیوں کرتا ہوں؟

اس لئے کہ تم میری معافی کی قدر کرو، اس کا غلط فائدہ مت اٹھاؤ کہ اللہ میاں معاف کردیں گے، یہ سمجھ لو کہ میں ایک سیکنڈ کے اندر تمہارے گردے میں پتھری پیدا کرسکتا ہوں، تم دن میں راستے بھر بدنگاہی کر کے آتے ہو تو رات میں میں تمہارے خون میں کینسر پیدا کرسکتا ہوں، تمہارے گردوں کی فلٹر مشین سیکنڈوں میں خراب کرسکتا ہوں، اگر گردوں کو حکم دے دوں کہ اب تم پیشاب کو اور خون کو صاف مت کرو تو تمہارے خون میں پیشاب ملنے لگے گا اور دوسرے دن تم ہسپتال پہنچ جاؤ گے، ہسپتال میں تمہارے خون کی ٹیسٹنگ ہوگی، ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھے گا، ڈاکٹر کہیں گے کہ خون میں اتنے فیصد پیشاب جمع ہورہا ہے اور زہریلا ہورہا ہے۔ اب تمہیں سارا خون نکلوانا پڑے گا اور دوسرا خون چڑھوانا پڑے گا اور ہر ہفتہ ہسپتال جانا پڑے گا۔ تو زبردست طاقت رکھتے ہوئے ان کا معاف کردینا یہ ان کی صفتِ مغفرت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ مغفرت! ان الفاظ کا نزول بتاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کو علم ہے کہ کون سا لفظ کہاں نازل کرنا چاہیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کی تفسیر

اسی طرح قرآن پاک میں ایک جگہ ہے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۷)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام دعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے جو یہ کعبہ بنایا ہے تو آپ ہمارے اخلاص سے باخبر ہیں لیکن ہم سے آپ کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوسکا آپ ہمارے اس عمل کو بتکلف قبول فرمالیجیے۔ یہاں انہوں نے باب تفعل سے تَقَبَّلْ استعمال کیا۔ صاحبِ روح المعانی

علامہ محمود آلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا میں باب تفعل لانے کا کیا راز ہے؟ فرماتے ہیں کہ فِي اخْتِيَارِ صِيغَةِ التَّفَعُّلِ اعْتِرَافٌ بِالْقُصُوْرِ کہ ان دونوں پیغمبروں نے اعترافِ قصور کیا کہ اے اللہ! ہم سے آپ کا گھر آپ کی عظمت کے شایانِ شان نہیں بن سکا لہٰذا از راہِ کرم ہماری اس کوشش کو بہ تکلّف قبول فرما لیجئے تو بابِ تفعل اس لئے استعمال کیا۔ اس کے بعد دو صفتیں نازل کیں:

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۷)

یہاں سمیع کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ اَنْتَ سَمِيْعٌ بِدَعْوَاتِنَا آپ ہماری دعا کو سن رہے ہیں اور علیم اس لیے فرمایا کہ عَلِيْمٌ بِنِيَّاتِنَا آپ ہماری نیتوں سے باخبر ہیں کہ ہم نے آپ ہی کے لئے یہ گھر بنایا ہے۔

اگر آپ ایک ایک لفظ میں غور کریں تو قرآن پاک کا شانِ نزول اور اسلوبِ بیان بتائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کوئی انسان جس نے سورج و چاند نہ بنایا ہو وہ اگر کہے کہ میں نے سورج و چاند بنایا ہے تو وہ عزیز اور علیم کی صفات نہیں لائے گا، وہ تو کہے گا کہ دعویٰ کر دو بعد میں دیکھا جائے گا، اگر کوئی بیوقوف پھنس گیا تو مزے آ گئے۔

جیسے یہاں لاہور میں ایک کانے نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں تو انیس[۱۹] آدمی اس پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ قصہ میرے مرشد شاہ عبد الغنی صاحبؒ نے مجھے سنایا تھا۔ ایک شخص نے اس کانے سے کہا کہ اگر تم خدا ہو تو اپنی آنکھ درست کیوں نہیں کر لیتے؟ اس نے کہا کہ تم نہیں جانتے کہ ایک خدا مسلمانوں کا ہے جو ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتا ہے اور میں وہ خدا ہوں جو ایمان بالعیب کا مطالبہ کرتا ہوں یعنی میری کانی آنکھ پر ایمان لاؤ، میرے عیب پر ایمان لاؤ،

میں وہ خدا ہوں جو لوگوں سے اپنے عیب پر ایمان لانے کا مطالبہ کر رہا ہوں۔

ذاکر اور غافل کی خطا میں فرق

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک شخص کسی اللہ والے سے بیعت ہے، اللہ والے نے اس کو ذکر بھی بتا دیا، حکیم الامت کے ملفوظات کا مطالعہ بھی بتا دیا کہ ایک دو صفحے دیکھ لیا کرو لیکن ایک دن اس سے کسی نے پوچھا کہ کیا بیعت کرنے اور ذِکر اللہ کرنے کے بعد تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی ؟ تو وہ کہتا ہے خطا میں کمی آ گئی، پہلے ایک ہزار بدنگاہی کرتا تھا اب چھ مہینے کے بعد کبھی ہو جاتی ہے تو جلدی سے نگاہ بچا لیتا ہوں۔

تو ایک غافل انسان جو کسی اللہ والے سے بیعت نہیں ہے، اللہ اللہ بھی نہیں کرتا تو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ غافل سے بھی خطا ہوئی اور ذاکر سے بھی خطا ہوئی، تو دونوں کی خطاؤں میں کیا فرق ہے؟ فرماتے ہیں کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہے اس کو اپنی خطا پر اور اپنے گناہ پر پوری پوری لذت ملے گی کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا خیال ہی نہیں ہے، اس نے حضورِ قلبی کو دیکھا ہی نہیں اور توفیقِ توبہ بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ غفلت کے اندھیروں میں رہنے کا عادی ہے۔ جس کے گھر میں بجلی ہوتی ہے اس کے گھر سے جب فیوز اڑتا ہے اور کمرہ میں اندھیرا ہو جاتا ہے تو بتاؤ اس کا جی گھبراتا ہے کہ نہیں؟ لیکن ایک آدمی اندھا ہے اس نے کبھی روشنی کو دیکھا ہی نہیں تو اس کے یہاں بجلی فیل ہو گئی تو آپ بتلائیے کیا اس کو گھبراہٹ ہو گی؟ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اندھیرے میں رہتا ہے لیکن جس کے گھر میں روشنی ہوتی ہے جب اس کے گھر کی بجلی فیل ہوتی ہے تو وہ پاور ہاؤس والوں کو فون کرتا ہے کہ روشنی کے بغیر دل گھبرا رہا ہے، بچے رو رہے ہیں جلدی بجلی بھیجو۔ تو ذکر کی برکت سے دل میں

ایک نور پیدا ہوجاتا ہے اور آدمی روشنی میں رہنے کا عادی ہوجاتا ہے۔ جبکہ بدنگاہی تو ظلمت ہے، اندھیرا ہے تو اگر اس سے کبھی بدنگاہی ہوجائے تو وہ اپنے قلب کے اندھیروں سے گھبرا کر جلدی سے توبہ کرلیتا ہے۔

بدنگاہی تو ظلمت ہے اندھیر ہے
ہیں نگاہیں مری روشنی کے لئے
مانگتا ہوں تجھے زندگی کے لئے
زندگی چاہیے بندگی کے لئے

اور جس کے دل میں اللہ نہیں آیا، تعلق مع اللہ کی روشنی نہیں ہے، اس نے اپنے جسم کو کھانے پینے کا آفس بنایا ہوا ہے، اس کا نام ہے امپورٹ ایکسپورٹ آفس، پہلے کھانا امپورٹ کرتا ہے اور بعد میں اس کو ایکسپورٹ کردیتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہی ہے تو اپنے کو امپورٹ ایکسپورٹ کا آفس سمجھنا کہ کھانا کھائے اور لیٹرین میں پاخانہ کردے، یہ بہت سخت نادانی ہے۔

تو ذاکر میں اور فاسق میں فرق کیا ہے؟ یہ اس لئے عرض کرتا ہوں کہ بعضوں کو شیطان بہکاتا ہے کہ میاں وہ تو فلاں اللہ والے سے مرید ہے مگر اس سے بھی کبھی خطا ہوجاتی ہے اور مجھ سے بھی خطا ہوجاتی ہے جو کسی اللہ والے سے بیعت نہیں ہے تو دونوں میں کیا فرق ہوا؟ نفس کہتا ہے کہ میں کیوں کسی سے مرید ہوں؟ کیوں غلام کا غلام بنوں؟ بندہ کا بندہ کیوں بنوں؟ حالانکہ وہ بندہ کا بندہ نہیں بنتا ہے، جس نے کسی اللہ والے کی غلامی اختیار کی دراصل وہ حق تعالیٰ کی بندگی ہے، اس کی غلامی حق تعالیٰ کی بندگی میں داخل ہے، جو اللہ کے لئے کسی اللہ والے کے ناز اٹھاتا ہے، وہ اللہ کے راستہ کے ناز میں شامل کیا جائے گا، جس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھائیں، اس کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کی، وہ خدا کے راستہ کی تکلیف شمار کی جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت کا جز بنائیں

گے۔ کیا مشکوٰۃ کے اندر یہ حدیث موجود نہیں کہ جہاد کے گھوڑوں کا پیشاب پاخانہ اور ان کو پانی پلانا بھوسہ پھلی دینا، یہ سب قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں وزن کئے جائیں گے، تو کیا نعوذ باللہ اللہ والے جانوروں سے بھی بدتر ہیں؟ اگر گھوڑے کا پیشاب پاخانہ نیکیوں میں تُل سکتا ہے تو اللہ کی محبت میں اللہ والوں کے ناز اٹھانا، ان کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کرنا، اپنی اصلاح کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا، تو کیا ان کی راہ کی تکالیف نیکیوں میں نہیں تولی جائیں گی؟ بلکہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کی شقاوت کو سعادت سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

((هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ))

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزّ وجلّ، ج۲، ص:۹۴۸)

یہ اللہ والے ایسے ساتھی ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کی شقاوت، بدبختی، بدنصیبی خوش قسمتی سے تبدیل کر دی جاتی ہے۔

سلسلۂ تھانوی کی برکات

جن کو اپنی بگڑی بنانی ہو وہ اللہ والوں کے پاس اٹھے بیٹھے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ اس کی دنیا میں بھی برکت شروع ہو جائے گی لیکن تم دنیا کی برکت کے لئے اللہ والوں کے پاس نہ جاؤ بلکہ اللہ کے لیے اللہ والوں سے تعلق رکھو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپور میں کرائے کے مکان میں رہتے تھے اور اکثر مقروض رہتے تھے، پھر ایک دن وہ بھی دیکھا کہ اللہ نے کراچی میں کیسا شاندار مکان دیا۔ حکیم الامت کا کوئی خلیفہ آپ نہیں پائیں گے کہ وہ مسکینی اور غریبی میں پریشان رہا ہو۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی تھی کہ اللہ میاں! جو میرے سلسلہ

میں داخل ہو تو اس کو تین نعمتیں دینا پھر فرمایا کہ میری دعا قبول ہوگئی۔ نمبر ایک دعا تھی کہ ان کو کبھی تنگ دستی و پریشانی نہ ہو، رزق کے معاملے میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ نمبر دو ان کے قلب کو جمعیت اور سکون نصیب فرمائیے۔ اور نمبر تین خاتمہ ان کا ایمان پر ہو۔ تو یہ بڑا مبارک سلسلہ ہے۔ دوستو! اللہ والوں کا ہاتھ پکڑنا گویا اللہ کا ہاتھ پکڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾

(سورۃ الفتح، آیت ۱۰)

جو میرے نبی کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں تو وہ نبی کا ہاتھ نہیں ہے وہ میرا ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے معلّمین محبت کی کیا عظمت بیان کی کہ نبی کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ قرار دے دیا۔

صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے سب گناہ چھوٹ جاتے ہیں

اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دوستو! اگر گناہوں کی عادت سے باز نہیں آتے تو جلدی سے اللہ والوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کردو، اس کا انتظار نہ کرو کہ پہلے گناہ چھوڑیں گے پھر اللہ والوں کے پاس جائیں گے، جیسے کسی کو احتلام ہوگیا اور اس پر غسل فرض ہے یا وہ گٹر میں گر گیا اور اگر وہ کسی دریا کے پاس کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ اے دریا کیا میں تیرے اندر آسکتا ہوں چونکہ میں ناپاک ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تیرے اندر آؤں اور تو بھی ناپاک ہوجائے، یہ گستاخی اور بے ادبی تو نہیں ہوگی؟ دریا کہتا ہے کہ اگر اس بے ادبی اور گستاخی کے ڈر سے باہر کھڑا رہے گا تو قیامت تک ناپاک رہے گا، جلدی سے میرے اندر کود آ، تیرے جیسے ہزاروں کود آئیں، سارا لاہور ناپاک ہو کر نہالے تو بھی میرا پانی پاک رہے گا اور تم لوگ بھی پاک ہوجاؤ گے۔

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند و در فشاں

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تم لوگ جب سبحان اللہ کہتے ہو تو میں تمہارے پاک کہنے سے تھوڑی پاک ہوتا ہوں ارے ظالمو! میں تو پہلے ہی سے پاک ہوں لیکن میری پاکی بیان کرنے کے صدقہ میں تم خود پاک ہوجاتے ہو اور پھر ان کی زبان سے موتی جیسی باتیں نکلتی ہیں، جب دل پاک ہوجاتا ہے تو بات بھی پاک نکلتی ہے۔ اگر لوٹے میں عرقِ گلاب ہے تو ٹونٹی سے عرقِ گلاب نکلے گا، اگر لوٹے میں گدھے کا پیشاب ہے تو ٹونٹی سے پیشاب ہی نکلے گا۔ تو مولانا رومیؒ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرے ذِکر سے تم پاک ہوجاؤ گے اور تمہارے قلب میں نورانیت آجائے گی تب تمہارے منہ سے نور کے موتی بکھریں گے، تم درفشاں ہوجاؤ گے۔ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا موتی ہوتا ہے ان کی زبان سے بھی موتی ہی جھڑتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ تو دوستو! گناہ چھوڑ کر اللہ والوں کے پاس جانے کا انتظار مت کرو بلکہ جلدی سے کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرلو، یہ بات حکیم الامت فرمارہے ہیں، اسے اختر کی بات مت سمجھو۔

مولانا مشرف علی تھانوی میرے بہت پرانے دوست ہیں، جب ان کی ذرا ذرا سی مونچھیں تھیں اور یہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھتے تھے، میں عمر میں ان سے تھوڑا سا بڑا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر میرے بال جلدی سفید کردیئے تاکہ کسی کو مجھ سے بیعت ہونے میں شرم نہ آئے ورنہ میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔ اسی سال بنگلہ دیش میں بہت سے محدثین مجھ سے بیعت ہوئے تو میں نے چپکے سے اللہ میاں سے کہا کہ اگر آپ میری ڈاڑھی سفید نہ کرتے تو شاید یہ مجھ سے بیعت ہونے سے شرماتے حالانکہ اس میں شرم کی بات نہیں

ہے۔ دہلی میں ایک بزرگ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بڑے میاں بیعت ہوئے جو عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے، تو دہلی والوں نے مذاقاً کہا کہ کیا تم کو کوئی اور پیر نہیں ملا تھا جو اس خوبصورت جوان پیر سے بیعت ہوئے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت تھے تو بڑے میاں نے کہا ؎

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

اس لئے اللہ والوں کی عمر مت دیکھو، یہ دیکھو کہ اس کے دل میں خدا کی محبت کا درد ہے تو اسے پیر بنالو چاہے خود تم بوڑھے ہو، بڈھا بھی چالیس سال کے جوان کو شیخ بنا سکتا ہے۔ تو اس کا انتظار نہ کیا جائے کہ ہم جب گناہوں سے پاک ہو جائیں گے تب اللہ والوں کے پاس جائیں گے، آپ خود سے پاک نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ والوں کے دریا میں جا کر غوطہ لگا دو، ان کے پاس بیٹھنا شروع کر دو، آہستہ آہستہ سارے گناہ خود ہی چھوٹ جائیں گے۔

صحبت اہل اللہ میں گناہ چھوٹنے کی مثال

میرے مرشدِ ثانی حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اس ڈر سے اللہ والوں کے پاس نہیں بیٹھتے کہ وہاں جائیں گے تو پھر سینما دیکھنے سے رک جانا پڑے گا، پھر عورتوں کو کیسے دیکھیں گے، سارے مزے چھوٹ جائیں گے، گناہوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت میں گناہ چھوڑنا نہیں پڑیں گے خود چھوٹ جائیں گے۔ اس پر مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک قصہ سنایا کہ ایک آدمی نے کسی دفتر سے دس ہزار روپے رشوت لی اور خوشی خوشی

اسکوٹر پر جارہا ہے کہ اب دس ہزار سے بیوی کے لئے ساڑھیاں لیں گے، ٹی وی بھی لیں گے اور فلاں آلاتِ خباثت لیں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ اتنے میں اس کا ایک دوست تیز رفتاری سے اسکوٹر پر اس کے پاس آکر رکا اور کہا کہ ٹھہرو! ایک بات سن لو، ایک درجن اینٹی کرپشن یعنی جو مجرمینِ رشوت کو پکڑتی ہے وہ پولیس جیپ پر بیٹھ کر آرہی ہے اور ڈی آئی جی بھی ساتھ ہے اور تمہارے ان نوٹوں پر پولیس افسر کے دستخط ہیں تاکہ تم رشوت سے انکار نہ کرسکو۔ اتنے میں اس نے ایک گٹر کھلا ہوا دیکھا تو سارے پیسے اس گٹر میں پھینک دیئے اور وہاں سے جلدی سے بھاگا اور گھر جاکر اطمینان کی سانس لی، اب جناب گھر پر پولیس آگئی، ڈی آئی جی بھی ساتھ تھے، انہوں نے پوچھا کہ دس ہزار روپے جو رشوت کے لیے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ دیکھ لو، تلاشی لے لو، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ جب اس کو یقین آگیا کہ ڈی آئی جی اور پولیس آرہی ہے تو اس کو دس ہزار چھوڑنا پڑے یا خود چھوٹ گئے اور وہ انہیں چھوڑ کر خوش بھی ہوا کیونکہ اسے یقین آگیا تھا کہ اس رشوت سے مجھے جیل جانا پڑتا۔ تو اللہ والوں کی صحبت سے اللہ پر، قیامت پر، دوزخ اور جنت پر اور قبر کی منزلوں پر یقین پیدا ہوجاتا ہے، پھر اس کے اندر گناہ کی لذت اور دوزخ کے عذاب کا موازنہ پیدا ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ میں اگر کسی عورت کو دیکھتا ہوں اور خدا نے مجھے عذاب دیا تو آگ کی تکلیف سے بہتر ہے کہ میں آنکھ بچالوں۔ تو اللہ والوں کی صحبت سے گناہ چھوڑنا نہیں پڑتے خود چھوٹنے لگتے ہیں۔ جیسے جیسے ذکر اللہ کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو نور میں رہنے کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے، اندھیروں سے اس کا دل گھبرانے لگتا ہے۔ تو ذاکر سے خطا ہوتی ہے تو جلد توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، جلد رونا شروع کردیتا ہے، رو رو کر اللہ کو منالیتا ہے، اور توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ اب دوبارہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا لیکن غافل آدمی جو اہل اللہ سے دور ہے، اللہ

سے غافل ہے، وہ اگر خطا کرتا ہے تو اسے احساس بھی نہیں ہوتا ۔

اندھیرے پر اندھیرا چڑھ رہا ہے
ارے ظالم تو یہ کیا کر رہا ہے

سبحان اللہ! مولانا مشرف علی نے ابھی تازہ ایک شعر کہا ہے ۔

ذاکر کو وساوس سے بھی ہوجاتا ہے خلجان
غافل کو گناہوں پہ ندامت نہیں ہوتی

یعنی ذاکرین کو، اللہ والوں کو اگر گناہ کا وسوسہ بھی آجاتا ہے تو بھی وہ توبہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی نافرمانی کا خیال کیوں آیا اور غافل سے گناہ ہورہے ہیں مگر ذرا بھی شرمندگی نہیں ہوتی، ڈھیٹ بنا ہوا ہے۔

گناہ کی وجہ حیا کا فقدان ہے

اور کیوں شرم آئے، شرم تو جب آئے جب حیا کی حقیقت سمجھ میں آئے۔ حیا کی حقیقت کے بارے میں محدث عظیم ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ حَقِیْقَۃَ الْحَیَآءِ اَنَّ مَوْلَاكَ لَا یَرَاكَ حَیْثُ نَہَاكَ حیا کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تمہیں اس حالت میں نہ دیکھے جس سے انہوں نے منع فرمایا ہے، لوگ توبہ کرنے سے شرماتے ہیں کہ بار بار گناہ ہوجاتا ہے اس لیے سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنا بے کار ہے، اللہ میاں سے شرم آتی ہے کہ کس منہ سے توبہ کروں، کل پھر گناہ ہوجائے گا تو فرمایا کہ ارے تم اگر ایک لاکھ مرتبہ گناہ کرو مگر توبہ کرنے سے مت شرماؤ، ہاں گناہ کے تقاضہ پر عمل کرنے سے شرماؤ، یہ ہے اصلی شرم کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ مچھلی ہزار دفعہ شکاری کا چارہ کھانے کی وجہ سے پانی سے نکل آئے اور جال میں شکار ہوجائے مگر جب شکاری کان میں پوچھے گا کہ اب کچھ شرم آئی؟ اب پانی میں جائے گی؟ اب پانی کو کیا منہ دکھائے گی

تو وہ کہے گی کہ ارے میاں! پانی کو کیا منہ دکھانا، ارے چاہے پانی طوفانوں سے، سیلابوں سے تھپڑ بھی مارے، چاہے وہاں اژدھے بھی ہوں، کھنڈرات بھی ہوں، مگر مچھ بھی بیٹھا ہو لیکن پانی کے بغیر میری زندگی ناممکن ہے، میرے لئے پانی کے طوفان خشکی سے اچھے ہیں کیونکہ خشکی تو میری موت کا سبب ہے اور دریا کے طوفانوں اور اژدہوں کے خطرات کے باوجود پانی ہی میری زندگی ہے کیونکہ وہاں میں تمام خطرات کا مقابلہ کرسکتی ہوں۔ ایسے ہی مؤمن کی روح ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

دعویٰ مرغابی کردست جاں

کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں

میری جان نے مرغابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، میں ایمان لایا ہوں، جب میں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللہِ کہہ دیا پھر میں کسی طوفان سے نہیں گھبراتا کہ نگاہ بچانے میں غم ہوگا، وہ تو غم اٹھانے پر شکر ادا کرے گا کہ یا اللہ! یہ کہاں میری قسمت کہ میں نے آپ کے راستہ میں کچھ غم اٹھایا، آپ اسے قبول فرمالیں، آپ کے راستہ کا کانٹا ساری کائنات کے پھولوں سے افضل ہے۔ آپ کے راستہ میں نظر بچانے کے غم کا کانٹا چبھ جائے تو اگر اس کانٹے کو ساری دنیا کے پھول سلامی پیش کریں تو بھی اس کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اے خدا یہ آپ کی راہ کا کانٹا ہے، آپ کے راستہ کی تکلیف ہے۔

جملہ سالکین کو حضرت تھانویؒ کی ایک بشارت

تو دوستو! یہی عرض کرتا ہوں کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہیں، مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا بتایا ہوا ذکر کرتے ہیں، اپنے گناہوں کی عادتوں کی خباثتوں کے بارے میں

اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت ان کا کوئی علاج بتائیے، پھران کے مشورے پر عمل بھی کرتے ہیں، تو اگر کبھی ان سے گڑبڑ ہوجاتی ہے تو حکیم الامت فرماتے ہیں کہ آخر میں جب مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو جتنے سالکین جنہوں نے دنیا میں کچھ محنتیں کی ہیں، اہل اللہ کی دعائیں لی ہیں اور سلوک کے مجاہدے کئے ہیں تو آخر میں اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آجاتا ہے کہ ساری زندگی تو اس نے میری خاطر مشقت اٹھائی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ تعلقات ماسویٰ پر اپنی محبت کو غالب کرکے دنیا سے اٹھاتے ہیں اور پھر فرمایا کہ میں جملہ سالکین کو بشارت دیتا ہوں کہ جو لوگ اہل اللہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہیں، اوّل تو کاملین ہوجاتے ہیں لیکن اگر اپنی نالائقی سے کاملین نہ ہوسکے، کچھ محنت اور مجاہدہ میں کم ہمتی سے کام لیا تو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تائبین بنا کر اٹھائے جائیں گے، ان کو سچی توبہ ضرور نصیب ہوجائے گی اور یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ والوں سے تعلق کا فیضان

توبہ سے دل منور ہوجاتا ہے۔ ناممکن ہے کہ کمرہ میں روشنی ہو اور آدمی سانپ بچھو دیکھ رہا ہو اور اس سے احتیاط کی توفیق نہ ہو۔ تو اللہ والوں کی محبت سے احساسِ ندامت ضرور پیدا ہوجاتا ہے اور اس کو اپنے گناہوں کے سانپ بچھو نظر آنے لگتے ہیں، اللہ والوں کا قلب اس کی روح کو نورانیت سے منور کردیتا ہے، ان کے دل کا نور اس کے دل میں خود بخود داخل ہوجائے گا، جیسے دیوار میں کھڑکیاں لگی ہوتی ہیں تو جب سورج نکلتا ہے تو کیا کمرہ ارادہ کرتا ہے کہ کھڑکیوں سے روشنی آجائے یا آفتاب کی شعاعیں خود بخود آجاتی ہیں۔ اسی لیے مولانا رومیؒ یہی فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے دل کے آفتاب کا نور تمہارے دلوں کی کھڑکیوں میں خود بخود داخل ہوجائے گا۔

که ز دل تا دل یقیں روزن بود

نے جدا و دور چوں دو تن بود

شیخ کے دل سے طالبین کے دل تک کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں، دونوں کا جسم تو جدا ہے لیکن دل جدا نہیں ہیں، دل آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اچھا میں نے اس بات کا دعویٰ تو کر دیا کہ شیخ اور مرید کے دل ملے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی منطقی سوال کرلے کہ اس کا ثبوت پیش کیجئے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مثالوں کی بادشاہت عطا فرمائی ہے، اب میری بادشاہت دیکھو جس سے تمہارے منطقی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے گا۔ فرماتے ہیں ؎

متصل نبود سفالِ دو چراغ
نورِ شاں ممزوج باشد در مساغ

جس طرح دو چراغوں کے جسم الگ الگ ہوتے ہیں، ایک بلب یہاں ہے ایک بلب وہاں ہے لیکن فضاؤں میں دونوں کی روشنی مل جاتی ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس کی روشنی یہاں تک ہے اور دوسرے کی روشنی یہاں تک ہے۔ تو اگر اللہ والوں کے دل سے اپنے دل کو ملانا ہے تو اپنے جسم کو ان کی خدمت میں لے جانا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ خالی دل بھیج دیں اور خود دُور دُور رہیں کہ صاحب میں تو بہت دور رہتا ہوں۔ نہیں! جسم کے ساتھ ہی دل جائے گا، جسم جائے گا تو دل اندر موجود ہوگا، جیسے بادشاہ لوگ سواری سے جاتے ہیں، ان کا پیدل چلنا ان کی گستاخی ہے، توہین ہے، بادشاہ لوگ پیدل نہیں چلتے ہیں تو دل بھی جسم کی سواری کا بادشاہ ہے، دل جسم کی سواری پر جاتا ہے، جسم کو حاضر کرو اللہ والوں کی خدمت میں تو دل بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اہل اللہ کی خدمت میں اخلاص سے جاؤ، آنا جانا رکھو، اہل اللہ سے تعلق رکھو اور اصلاح نفس کے بارے میں تزکیہ کو فرض سمجھو۔

تزکیہ کے لیے کسی مُزَکّی کا ہونا لازم ہے

اصلاح کرانا ہر ایک پر فرض ہے۔ تزکیہ فعل متعدی ہے، فعل لازم ہوتا تو آپ اپنی اصلاح خود کر سکتے تھے جیسے کہتے ہیں کہ جَآءَ زَیْدٌ تو جَآءَ فعل لازم ہے، یہاں آنے کا فعل زید پر تمام ہوا لیکن تزکیہ فعل لازم نہیں فعلِ متعدی ہے جس میں ایک فاعل یعنی مُزَکِّیْ ہونا چاہیے جو تزکیہ کرے اور ایک مفعول یعنی مُزَکّٰی ہونا چاہیے، فعل متعدی میں ایک مُزَکِّیْ اور ایک مُزَکّٰی ہونا لازم ہے۔

فلاح کے متعلق دو آیات کے باہمی ربط پر ایک علم عظیم

اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا﴾

(سورۃ الشمس، آیت۹)

جس نے تزکیہ کرالیا وہ کامیاب ہوگیا۔ تو تزکیہ کے لئے اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کا نام کیوں بتاتے ہیں؟ اس لیے کہ فلاح میں تزکیہ کو جتنی اہمیت ہے اتنی ہی اہمیت اللہ کے ذکر کی بھی ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(سورۃ الانفال، آیت۴۵)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فلاح کی تفسیر میں لکھتے ہیں اَیْ تَفُوْزُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی تم اللہ کا نام لوگے تو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوجاؤ گے اور فرماتے ہیں قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا جو تزکیۂ نفس کرائے گا وہ فلاح پائے گا تو معلوم ہوا کہ فلاح کی نعمت تزکیہ نفس پر بھی موعود ہے اور ذکر اللہ پر بھی موعود ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ ہم ایک کام کرلیں یعنی اللہ اللہ کرلیں اور فلاح لے لیں کیونکہ ذکر اللہ پر بھی فلاح کا وعدہ ہے، پھر تزکیۂ نفس کی کیا ضرورت ہے؟

جب دو مختلف اعمال پر ایک ہی جیسی نعمت کا وعدہ ہے تو ہم اس نعمت کو ایک عمل کر کے حاصل کرلیں اور دوسرا عمل یعنی تزکیہ کا عمل نہ کریں جیسے تیز گام بھی کراچی جاتی ہے اور شالیمار بھی کراچی جاتی ہے تو ہم شالیمار کو چھوڑ کر تیز گام سے چلے جاتے ہیں۔ دنیا میں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کسی ایک ریل سے چلے جائیں کیونکہ یہ لازم و ملزوم نہیں ہیں لیکن فلاح کے لیے ذکر اللہ اور تزکیہ لازم و ملزوم ہیں۔ دوستو! ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ اللہ کا ذکر عطر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ اپنے نام کا عطر بیان کیا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کہ میرے نام کا عطر لگاؤ اور دوسری جگہ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کہ جب میرا نام لو تو میرے نام کی خوشبو کے ساتھ باطنی نجاستوں کی لیدمت لگاؤ اور ان سے پاکی حاصل کرو ورنہ میرے عطر کی توہین ہو جائے گی لہٰذا جتنا اچھا تزکیہ کراؤ گے اتنی ہی میرے عطر کی خوشبو تم پر اثر کرے گی اور ایسا اثر کرے گی کہ تم خود مست ہو جاؤ گے اور کائنات میں جدھر سے بھی گذرو گے سب کہیں گے کہ کوئی اللہ والا جا رہا ہے، پھر تمہاری رفتار بھی بدل جائے گی:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

(سورۃ الفرقان، آیت ۶۳)

تمہاری رفتار سے، تمہاری گفتار سے، تمہاری چال سے اللہ والا ہونا ثابت ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو نشر ہو کر رہتی ہے

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی گھر کے تیسرے کمرے میں چھپ کر بھی اللہ اللہ کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خوشبو کو کائنات میں پھیلا دیں گے۔ آپ چھپائیں گے لیکن ؎

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

یہ ساری کائنات، لندن کی میمیں، دنیا کی حسین ترین عورتیں، رنگین فلمیں، ساری کائنات کی گمراہ کن ایجنسیاں مل کر اگر چاہیں کہ ہم اللہ کے جمال اور اللہ کی محبت کی خوشبو کو چھپا دیں یعنی اللہ والوں کو اپنی طرف مشغول کرلیں تو نہیں کرسکتیں مولانا اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جمال اس کا کیا چھپائے گی بہار چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

اور فرماتے ہیں ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

یہاں صحنِ چمن سے مراد چمنِ کائنات ہے یعنی دنیا کو اپنی بہاروں پر اور رنگینیوں پر ناز تھا لیکن جب اللہ کی خوشبو آئی تو ساری بہاروں پر چھا گئی اور اللہ والے ساری بہاروں سے بے نیاز ہو گئے، کوئی بہار ان کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی، ناکام ہوجاتی ہے اور اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی ہے۔ خواجہ مجذوب فرماتے ہیں ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑگئی لو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

اور جگر مراد آبادی جب حکیم الامت کے صدقہ میں اللہ والے ہوگئے تو کیا غضب کا شعر کہا ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

عوام میں اہلِ دین کی نا قدری کی وجہ

آج لوگ شکایت کرتے ہیں کہ اہلِ دین کو اور مولویوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، واللہ! ارے! اگر آپ خدا کی محبت کو اپنے اوپر غالب کرلو تو اللہ آپ کو زمانہ پر غالب کردے گا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے خدا کے احکام کو اپنی آنکھ، کان اور جسم پر غالب کیا تو سارے معاشرے پر اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردیں گے اور جو خدا کے احکام کو توڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔ یعنی مخلوق کے ہاتھوں میں اس کو کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ موتی جو شاہ محمود کے خزانہ میں سب سے قیمتی تھا شاہ محمود نے اپنے وزیروں کو اسے توڑنے کا حکم دیا تو پینسٹھ وزیروں نے اس کو توڑنے سے انکار کردیا، سب نے کہا کہ ایسا موتی پوری مملکت میں نہیں ہے، ہم ایسی گستاخی نہیں کرسکتے۔ پھر محمود نے اپنے عاشق ایاز کو بلایا اور کہا کہ اے ایاز! اگر تو واقعی میرا عاشق ہے تو اس نایاب موتی کو توڑ دے۔ اس نے پتّھر اٹھایا اور فوراً موتی توڑ دیا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ یہ ہے عشق!

مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ محمود نے کہا کہ اے معزز وزیرو! تم نے اس نایاب موتی کو نہیں توڑا لیکن ایاز نے توڑ دیا پھر شاہ محمود نے ایاز سے پوچھا کہ تم نے میرے نایاب موتی کو پتّھر مار کر کیوں ضائع کیا؟ تو ایاز نے جواب دیا کہ حضور! اس کا جواب میں وزیروں کو دیتا ہوں جس میں موتی کو توڑنے کی وجہ اور آپ کی عظمت ظاہر ہوجائے گی۔

گفت ایاز اے مہترانِ نامور
امرِ شہ بہتر بہ قیمت یا گہر

اے وزیرو! شاہی حکم زیادہ قیمتی ہے یا یہ موتی زیادہ قیمتی ہے؟ تو اللہ کا یَغُضُّوا مِنۡ اَبۡصَارِھِمۡ کا حکم زیادہ قیمتی ہے یا یہ حسین موتی زیادہ قیمتی ہیں جن کے ہونٹوں پر، گالوں پر، آنکھوں پر تم مرے جارہے ہو۔ ایاز انسان کا غلام ہوکر ہمیں عبرت دے گیا، ہمیں بندگی سکھا گیا۔

آتشی آئینے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ حسین تو جمالِ حق کے آئینے ہیں جن کو دیکھ کر ہم خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں یعنی جو ایسا حسین بنا سکتا ہے خود اس کا حسن کیسا ہوگا۔ مگر شریعت اس آئینۂ جمالِ خداوندی کو دیکھنے سے کیوں منع کرتی ہے؟ حکیم الامت نے جواب دیا کہ میں ان حسینوں کو آئینہ تو تسلیم کرتا ہوں مگر یہ آتشی آئینے ہیں، تمہیں جلا کر راکھ کردیں گے، تم زندگی ہی میں دوزخ میں پڑ جاؤ گے، تمہاری حیات تلخ ہوجائے گی۔ آتشی شیشہ جو ہوتا ہے جب سورج کے سامنے ہوتا ہے تو اس کے نیچے جو چیز آتی ہے جل کر خاک ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر تم نے ان حسینوں کو دیکھا تو تمہاری حیات بھی تلخ ہوجائے گی، دنیا بھی جائے گی آخرت بھی جائے گی۔ اس لئے فرمایا کہ یہ حسین عذابِ الٰہی ہیں۔ خبردار! ان کو ہرگز مت دیکھنا۔

دیکھ تو ان آتشیں رخوں کو نہ دیکھ
ان کی جانب نہ آنکھ اُٹھا زِنہار
دور ہی سے یہ کہہ الٰہی خیر
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ

ان آگ جیسے چہروں کو مت دیکھنا، جب کبھی نظر آجائیں تو کہو رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ غالب جیسا دنیادار شاعر آگرہ گیا، آگرہ میں کچھ آگ جیسی شکلیں نظر آئیں تو اس

نے فوراً کہا ؎

آگرے کے شعلہ رو ہیں آگ رے
بھاگ رے مرزا یہاں سے بھاگ رے

ان حسینوں سے فرار اختیار کرو:

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾

(سورۃ الذاریات، آیت ۵۰)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف بھاگنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ فرمایا کہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اَیْ عَمَّا سِوَی اللہ یعنی غیر اللہ سے اللہ کی طرف بھاگو، وضو کر کے مسجد میں دو رکعات توبہ پڑھو، اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، ذکر میں لگ جاؤ، تلاوت میں لگ جاؤ، پھر تمہارے سینہ میں دریائے نور بہے گا، تم بادشاہوں سے افضل ہو جاؤ گے۔

میرے مولوی اور حافظ دوستو! یہ مت سمجھو کہ مُلّا کمتر ہے، حقیر ہے، آج مُلّا اس لئے کمتر ہے کہ جسم کے بڑے بکسے کے اندر جو دل کا چھوٹا بکسہ ہے وہ خالی پڑا ہوا ہے۔ اگر ایک بڑا بکسہ ہو اور اس پر بالکل خراب لکڑی لگی ہو، کیلیں بھی ڈھیلی ہو رہی ہیں، فٹنگ بھی اچھی نہیں ہے لیکن اس بڑے بکسے کے اندر چھوٹے بکسے میں ایک کروڑ کا موتی رکھا ہو پھر اس بکسے کی قیمت کیا ہوگی، پھر وہ ایک کروڑ کا موتی پا کر کیا کرے گا ؎

بر زجاجہ دوست سنگِ دوست زن
گوہرِ حق را بہ امرِ حق شکن

یہ مانا کہ یہ حسین اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے حسین موتی ہیں لیکن خدا ہی کے حکم سے ان کو توڑ دو۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے بنائے ہوئے شیشے ہیں، مگر ان شیشوں پر دوست ہی کے حکم کا پتھر مارو، اللہ میاں نے ہمیں یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

کا پتھر دیا ہوا ہے ان سے نگاہیں جھکانا ان کو توڑنا ہے۔ پھر اس پر کیا ملے گا؟ اسی پر حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود مل جائیں گے اور ان کے قرب کی مٹھاس دل میں پاؤ گے۔

حسین شکلوں سے دل لگانے والوں کی مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے دریا میں چاند کا عکس دیکھ کر دریا میں چاند تلاش کرنا شروع کیا تو چاند بھی نہیں ملا اور عکس سے بھی محروم ہوگیا۔ کبھی دریا میں چودھویں رات کے چاند کا عکس نظر آئے اور آپ کہیں کہ اب آسمان میں کون چاند تلاش کرے یہ تو بہت قریب آ گیا تو اگر دریا میں گھس کر چاند کو ٹٹولو گے تو کیا ہوگا؟ دریا کے نیچے کی مٹی اوپر اٹھے گی اور پانی گدلا ہوجائے گا، عکس بھی نہ ملا اور اصل بھی نہ ملا۔ تو مولانا رومی کہتے ہیں کہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان عکسوں کو یعنی حسینوں کو مت دیکھو، میری طرف دیکھو، جب اصل کو پا جاؤ گے پھر ان عکسوں سے بے نیاز ہوجاؤ گے، عکس میں کیا رکھا ہے، قبروں میں جانے کے چھ ماہ بعد ان سب کو دیکھ لو، جس حسین پر آپ کو رشک آ رہا تھا اور آپ کہہ رہے تھے کہ ہائے میرے ماں باپ نے تو میری قسمت پھوڑ دی، پتہ نہیں کیسی بیوی پسند کرلی تو قبر میں اس حسین کی سڑی ہوئی مٹی دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں گی کہ آہ میں کس پر مر رہا تھا۔ اسی طرح تم دوسروں کو دیکھ کر للچا کر رہ جاتے ہو کہ ہائے کیا حسین جوڑا ہے، شوہر بھی حسین اور بیوی بھی حسین لیکن کبھی تو مریں گے اور جب دونوں دفن ہوجائیں گے، تو دفن ہونے کے چھ ماہ کے بعد ذرا قبر میں ان کی لاش تلاش کرو، خاک اور مٹی ہی نظر آئے گی۔ اسی لئے اپنا شعر پڑھتا ہوں کہ چہروں پر مت مرو کیونکہ ؂

اِدھر جغرافیہ بدلا اُدھر تاریخ بھی بدلی
نہ ان کی ہسٹری باقی نہ میری مسٹری باقی

کم عمری کے جس نقشہ کو دیکھ کر پاگل ہورہے تھے، عمر زیادہ ہونے کے بعد جب وہی شکل نظر آئی تو کہتے ہیں کہ یار دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس پر میرا دوسرا شعر سن لو۔

بگڑا ہوا جغرافیہ دیکھا نہیں جاتا
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

اب دعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مشرف علی تھانوی کی حیات میں اور میری حیات میں برکت دے اور ہم سے دین کا خوب کام لے لے اور حکیم الامت کے فیوض اور برکات ہمیں عطا فرمادے۔

یہ اخترؔ خاکِ تیرہ بے زباں بے سروساماں ہے
مگر مٹی پہ بھی فیضِ شعاعِ مہرِ تاباں ہے
مری آتش بیانی بھی ترے آتش فشاں سے ہے
مرے کانٹوں پہ شانِ گل بھی تیرے گلستاں سے ہے
مجھے احساس ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

ہم کانٹے ہیں مگر اے اللہ والو! تمہارا دامن پکڑے ہوئے ہیں، تمہارے دامن میں اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں۔

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گلِ تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

یہ مولانا رومی کی نصیحت ہے کہ اگر تم کانٹے ہو تو اپنا منہ کسی پھول کے دامن میں چھپالو یعنی اللہ والوں کے پاس آنا جانا رکھو۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو يَوْمًا فَيَوْمًا سَاعَةً فَسَاعَةً ترقی عطا فرمائے، مالی معاملات میں اللہ غیب سے خزانے برسا دے اور کبھی

مخلوق کا محتاج نہ فرمائے۔ اے اللہ! اہلِ خیر کو توفیق عطا فرما کہ وہ خود آ کر کے چندہ دیں بجائے اس کے کہ علماء ان کے دروازہ پر جائیں۔ اے اللہ! بہت سے اہلِ خیر کو صاحبِ نسبت بنا اور اپنی محبت کے نام پر اپنی رقوم لانے کی توفیق عطا فرما اور اپنی محبت اور اپنی خشیت ہمیں نصیب فرما اور خشیت اور محبت کے جو پٹرول پمپ ہیں یعنی اہل اللہ، اے اللہ! ہمیں اپنے دل کی موٹروں کو ان اللہ والوں کے پاس لے جانے کی توفیق دے، ہمیں اللہ والوں اور مشایخ و مرشدین کی محبت نصیب فرما، ہم سب کو اپنی اصلاح کی فکر نصیب فرما، گناہوں سے حفاظت اور طہارت نصیب فرما، ظاہری و باطنی تمام نجاستوں سے ہمیں پاک کردے، ہمارے دل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنادے اور اس درجہ ہماری جان کو اپنی ذاتِ پاک سے مانوس فرما کہ ہمیں غیر اللہ سے وحشت ہونے لگے، بالخصوص معاصی سے، چاہے ظاہری ہوں یا باطنی سب گناہوں سے یا اللہ ہماری حفاظت فرما، ہمارے دل کا ایسا مزاج بنادے کہ ہم گناہوں کے ان تقاضوں پر غالب آجائیں، یا اللہ! تقاضۂ معصیت کو مغلوب کردے بلکہ کالمعدوم کردے، بالکل معدوم ہونا تو مطلوب نہیں کیونکہ عادۃً ایسا نہیں ہوتا اس لیے معدوم نہیں کالمعدوم کردے کہ ادنیٰ اشارے سے نفس مسخر ہوجائے کیونکہ اگر گناہوں کے یہ تقاضے بالکل معدوم ہو گئے تو مخنث بننا مقصود نہیں ہے، طاقت رہے لیکن ہم اس طاقت کو خدا کی راہ میں جلا کر خاک کردیں۔ جو عشق کا مادّہ ہمیں عورتوں کے پاس لے جانا چاہتا ہے، حسینوں کے پاس لے جانا چاہتا ہے، اے خدا! ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی اس طاقت کو، اس عشق و محبت کو آپ کے نام پر جلا کر خاک کردیں، تلاوت میں ذِکر اللہ میں، تہجد میں، سجدوں میں رو رو کر ہم اپنے خون کو جلائیں اور آپ کے نام پر قربان کردیں۔ ہماری جوانیوں کو اور ہمارے بچوں کی جوانیوں کو اللہ قبول فرما۔

میرا دل بڑھاپا محسوس نہیں کرتا، میری تقریر سے بھی آپ لوگوں کو ان شاء اللہ پتہ چلتا ہوگا۔ اس لیے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ہمارے جوان دل کو بھی قبول فرمالے مگر جسم کے لئے بھی دعا کیجئے کیونکہ کمزوری بہت معلوم ہورہی ہے، خدا جانِ نحیفِ اختر کو کروڑ ہا جانِ حنیف عطا کردے اور اس نحیف کو حنیف کر کے سب اپنی راہ میں قبول فرمالے۔

اللہ! اختر کو بھی، میرے سب احباب کو بھی، مہتمم سے لے کر اساتذۂ کرام، طلبۂ کرام سب کو اللہ والا بنادے۔ اور یہ ادارہ خانقاہ تھانہ بھون کا مرکز بن جائے اور وہاں کے تزکیۂ نفس اور تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کا بھی مرکز بن جائے تاکہ یہاں سے جو عالم نکلے وہ صاحبِ نسبت ہو کر نکلے، جو طلبہ نکلیں وہ صاحبِ نسبت ہو کر نکلیں، جو خدمت کرنے والے ہیں وہ بھی صاحبِ نسبت ہو جائیں، دینی خدام، اساتذۂ کرام ہم سب پر اللہ اپنے کرم کے دریا کے دریا بہادے، اپنی رحمت کے دریا کے دریا بہادے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى
خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وعظ کے بعد حضرت والا جامعہ کی قیام گاہ کے اپنے کمرے میں تشریف لے آئے اور علماء اور طلباء بھی حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت حضرت والا نے مندرجہ ذیل ملفوظات ارشاد فرمائے۔

تصوف اور صوفی کے لفظ کا استعمال کب ہوا؟

ارشاد فرمایا کہ دورِ نبوت میں تصوف اور صوفی کا لفظ اس لئے مستعمل نہیں ہوا کہ نبوت کی آغوشِ تربیت میں پلنے والوں کا لقب صحابی تھا اور کسی صحابی

کوصوفی کہنا ان کی توہین ہے، اس لفظ صحابی سے ان کی جتنی عظمت ظاہر ہوتی ہے وہ کسی اور لفظ سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد تابعین کا زمانہ آیا، تابعین کو بھی صوفی کہنا ان کی توہین تھی کہ لفظ تابعی بھی اتنا بڑا لفظ تھا یعنی صحابہ کا صحبت یافتہ۔ لہٰذا آفتاب کے سامنے ستاروں کا تذکرہ کرنا ان اصحاب کی عظمت کے خلاف تھا۔ اس کے بعد تبع تابعین کو بھی لوگ تبع تابعین ہی کہتے تھے۔ اس کے دوسو سال بعد جب امت میں کوئی شخص زیادہ صاحبِ ورع اور صاحبِ عبادت اور صاحبِ نور وتقویٰ ہوتا تو اس کو لوگ صوفی کہنے لگے مگر صحابی، تابعین اور تبع تابعین ان تینوں القاب کی عظمتوں کے سامنے لفظ صوفی کی کوئی حقیقت نہیں۔ تو بعد میں امت میں جو لوگ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ عبادت گذار اور صاحبِ تقویٰ ہوتے تھے ان کو کہا جاتا تھا کہ یہ شخص صوفی ہے۔ صوفیاءِ کرام اور تصوف کی طرف ان کی نسبت کردی جاتی تھی۔ شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا یہ ملفوظ میں نے خود پڑھا ہے۔

سلوک، تزکیہ اور احسان کے معنیٰ

ارشاد فرمایا کہ اصل میں سلوک کے معنی ہیں چلنا۔ اور تزکیہ کے معنی ہیں اپنے اندر محاسن کو جذب کرلینا اور اخلاقِ ذمیمہ سے اپنے آپ کو بچالینا۔ لیکن اصل میں تزکیہ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اخلاقِ ذمیمہ سے بچنا اور اخلاقِ حسنہ پر عمل کرنا انسان کا مزاج بن جائے۔ لیکن تزکیہ کے لفظ پر اللہ کی محبت کا اعلان نہیں آیا اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں اس کو شمار کیا گیا ہے لیکن تزکیہ پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا اعلان نہیں آیا، احسان پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا اعلان آیا ہے۔ احسان تزکیہ کا وہ مقام ہے جو فطرت بن جائے:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ))

(صحیح البخاری، کتابُ الایمان، باب سؤال جبریئل النبی اعن الایمان والاسلام، ج:۱،ص:۱۲)

یہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ تو جب ہی ہوگا جب تزکیہ فطرت بن جائے گا یعنی اس کے خلاف تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ اور محدثین کے کلام میں ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ تصوف باب تفعل سے بنا ہے، باب تفعل کا خاصہ تکلف ہے یعنی سلوک میں محاسن کو اختیار کرنے اور قبائح سے بچنے میں انسان کو پہلے بتکلف عمل کرنا پڑتا ہے پھر فطرت اور مزاج بنتے بنتے بنتا ہے۔ جیسے خواجہ صاحب کا شعر ہے ؂

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

حضراتِ صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے لئے صوفی کے لفظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے

حضراتِ صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے لئے تصوف کا لفظ اور صوفی کا لفظ اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کیونکہ وہاں تکلف نہیں تھا، حق تعالیٰ نے ان افراد کی فطرت ہی ایسی بنائی تھی جو مزاجِ شریعت اور مزاجِ سنت پر ڈھلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد کے دور میں سلوک اور مقامات کے طے کرنے کے لئے تکلف کرنا پڑا۔ بعد میں جن لوگوں نے سلوک اور تصوف کے مدارج طے کئے ہیں ان کے لئے تصوف کا لفظ اختیار کیا گیا، اور ان کو صوفی بھی کہا گیا اس لئے ان کا ماضی جو ریاضات اور مجاہدات میں گذرتا ہے وہ تکلف میں ہوتا ہے، انہوں نے بتکلف اپنے آپ کو اس کا عادی بنایا تھا، اس کے لئے مشقت کرنی پڑی تھی۔ حضرات صحابہ نے چونکہ اس میں تکلف نہیں کیا بلکہ خلقۃً حق تعالیٰ نے ان کو منتخب ہی اسی مقصد کے لئے کیا تھا، اس لئے ان کے لئے تصوف کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا۔ لہٰذا تصوف کی اصطلاح بعد کے لوگوں کے لئے ہے جو ریاضت ومجاہدات کے مدارج سے گذر کر وہاں پہنچتے ہیں، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہیں، ان

کے لئے تصوف کا لفظ اختیار کیا گیا۔

حضرت والا نے مولانا مشرف علی صاحب سے فرمایا کہ جب آپ نے مجھ سے سوال کیا تو میرے قلب میں یہی بات آئی تھی لیکن اوّلاً دل میں کچھ رکاوٹ آئی تھی تو میں نے سوچا کہ مولانا مشرف صاحب کو بولنے دو لیکن جیسے ہی آپ نے تصوف کا لفظ استعمال کیا فوراً باب تفعل کی خاصیتِ تکلف میرے دل میں آ گئی۔ تو چونکہ صحابہ اس تکلف سے آزاد اور مستغنی تھے کیونکہ ان کو حقیقتِ تصوف حاصل تھی وہ حقیقی صوفی تھے ہم لوگ مُتَصَوِّف ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ صحابہ کے پاس حقائق تھے اور ان کو اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی نظر سے شریعت ان کا مزاجِ ثانی بن جاتا تھا، اللہ کی عبودیت اور اللہ کے لئے جان دینا یہ سب چیزیں ان پر آسان ہو جاتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت کے لیے حضرات صحابہ کا غیبی انتظام

دیکھئے کسی کا ایک محبوب بیٹا ہو اور وہ پردیس میں اپنے بیٹے کے لیے عمدہ ساتھی تلاش کرتا ہے مثلاً مجھے اپنے بیٹے مظہر میاں کو لاہور بھیجنا ہے اور انہیں کوئی رفیق اور ساتھی دینا ہے تو کیا میں انہیں خراب ساتھی دوں گا؟ کوشش کروں گا کہ بہترین وفادار ساتھی ملے۔ تو خیر القرون میں اس وقت روئے زمین پر جو اچھے دل و دماغ اور بہترین صلاحیت والے تھے، بہترین جاں نثاری اور بہترین وفاداری کے حامل انسان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور صحبت کا حق عطا فرمایا، فیضانِ نبوت کے ساتھ فیضانِ نبوت کو قبول کرنے والی صلاحیت کے قلوب عطا فرمائے۔ فیضانِ نبوت اپنی جگہ پر ہے لیکن فیضانِ نبوت ابوجہل پر تو مؤثر نہیں ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فیضانِ نبوت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنے والے دل اور صلاحیت والی روحیں اپنے رسول

کے گرد جمع کردیں، آپ کے گرد وپیش ایسے پروانے جمع کردیئے جو اپنی جان دے کر خوش ہوتے تھے۔ اِنَّآ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ

مولانا رومیؒ کی کیفیتِ دردِ دل

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوش حالاں و بدحالاں شدم

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں کہیں بھی صالحین ملتے ہیں میں وہاں بھی اللہ کی محبت میں رولیتا ہوں اور جہاں گنہگار ملتے ہیں ان کے سامنے بھی رولیتا ہوں اور فرمایا کہ ؎

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشمِ ما

اگر تم زمین پر کہیں خون پڑا ہوا پانا تو یہی یقین کرنا کہ یہاں جلال الدین ہی رویا ہوگا۔ ؎

اے دریغا اشکِ من دریا بدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

کاش میرے آنسو دریا ہوجاتے تا کہ میں اپنے محبوب حقیقی تعالیٰ شانہٗ پر دریا کے دریا آنسو قربان کردیتا۔

مہتمم کے دلچسپ معنی

ارشاد فرمایا کہ میں اسی لیے مولانا مشرف صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کو حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے خلافت حاصل ہے، اس لئے آپ مجلس شروع کردیجئے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمیوں کا مجمع ہی ہو، اگر ایک دو

آدمی بھی بیٹھے ہوئے ہوں تو ان ہی سے مجلس شروع کردیجیے۔ آہستہ آہستہ شہر میں اطلاع ہوجائے گی کہ بھئی! وہاں مجلس ہوتی ہے چاہے ہفتہ میں ایک دن ہی سہی چونکہ مولانا مہتمم بھی ہیں اب مہتمم کے معنیٰ کیا ہیں؟ اس کا مادہ ہموم سے ہے، ھم کی جمع ھموم ہے، ھم کو باب افتعال میں لے گئے تو اہتمام ہوا یعنی ہموم کا مرکز، ہزاروں غم۔ تو کم سے کم ہفتہ وار تو مجلس کا اہتمام رکھئے۔ مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے لسبیلہ میں مجلس شروع کی۔ ایک بزرگ تھے، ان کی مجلس میں ایک بڈھا جاتا تھا تو مثنوی سنا کر اس کو بھی رُلاتے تھے کہ بس تو بھی رو میں بھی روؤں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی چیز ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لیے خلافت شرط نہیں ہے، ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے موضوع پر بات کرے۔